سید عزیز الرحمٰن

جذبۂ ایثار اور ہمارے رویے

اخلاقِ حمیدہ میں سے ایک ایثار بھی ہے، اور حضور اکرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس اسوۂ حسنہ اور خلق عظیم کی اتباع کی ہمیں تاکید کی گئی ہے، ایثار کی صفت بھی اس کا ایک اہم جز ہے۔ ایثار کیا ہے؟ ایثار دوسروں کی ضرورتوں کو اپنے اوپر ترجیح دینے اور انہیں اپنی ضرورتوں پر فوقیت دینے کا نام ہے خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچانا۔ اس اعتبار سے یہ جود وسخا اور فیاضی کا اعلیٰ ترین اور سب سے آخری درجہ ہے۔

ایثار بھی دوسری صفاتِ حسنہ کی طرح ایمان کی پہچان اور مومن کا شعار ہے، اس کی حیثیت محض اتنی ہی نہیں، یہ تبلیغ دین کا بھی ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ جب انسان کسی دوسرے شخص کی مشکل وقت میں مدد کرتا ہے، تو اس کے دل میں یقیناً اپنے لئے نرم گوشہ بھی پیدا کر لیتا ہے، پھر جب مدد اور تعاون ایثار کے درجے میں ہو، تو اس کا تاثر زیادہ مضبوط اور دیر پا ہوتا ہے، اس معاملے کا یہی ایسا پہلو ہے جو ہمارے لئے دورِ جدید اور عصرِ حاضر میں اہم ہے اور ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے، خصوصاً اس کے دعوتی پہلو سے پہلو تہی اور صرفِ نظر کیا جا رہا ہے، حال آں کہ ابتدائے اسلام میں فروغِ اسلام میں اس صفت نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایثار کے حوالے سے انصارِ مدینہ کا کردار نہایت اہم ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے بھی ان کے جذبے کو سراہا اور اسے قابلِ تقلید قرار دیا۔ جب بنو نضیر کی زمین مسلمانوں کے قبضے میں آئی اور اس کا بڑا حصّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے انہیں عطا کر دیا تو انصار نے اس فیصلے کو نہایت خوش دلی سے قبول کیا۔ قرآنِ حکیم میں ان کے اس جذبے کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا گیا:

> وَا لَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَوَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَایَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَۃً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْکَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌقفطوَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَO(۱)
>
> اور ان لوگوں کے لیے جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ ہی مراد پانے والے ہیں۔

© rasailojaraid.com

ملاحظہ کیجئے یہاں حضرات انصار کے صرف جود وسخا کا ہی ذکر نہیں ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ ان کے جذبۂ ایثار کا ذکر فرما کران کی تحسین فرما رہا ہے، اور قرآن کریم کے اسلوب میں یہ انداز انت کی تعلیم کے لئے اختیار فرمایا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا ریوڑ عنایت فرمایا، وہ اس امر سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا:

یا قومی اسلموا ، فان محمداً یعطی عطاءً لا یخشی الفاقة(۲)

اے لوگو! اسلام لے آؤ کیوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ وہ اپنے فقیر ہونے کی بھی پروا نہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کے علاوہ ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں، جب آپ نے دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی حاجتوں پر ترجیح دی اور خود بھوکے رہ کر دوسروں کو نواز دیا ان واقعات کا تعلق زیادہ تر مسلمانوں یعنی صحابہ کرام سے ہے، مگر اس میں کوئی تفریق نہیں تھی، جیسا کہ اوپر بیان ہونے والے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے۔

ایک بار ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی، ولیمے کے لئے گھر میں کچھ سامان نہ تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ جاؤ اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے آٹا مانگ لاؤ، وہ گئے اور آٹا لے آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ کاشانہ نبوت میں اس روز اس آٹے کے علاوہ شام کو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ (۳) اور وہ بھی ایک ضرورت مند کو دے دیا گیا تھا۔

ایسے ہی ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ایک غفاری قبیلے کا شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آکر مہمان ہوا، اس رات کا شانہ نبوت میں رات کے کھانے کی جگہ صرف بکری کا دودھ تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہمان کی نذر کر دیا اور نبی رحمت کے ہاں اس رات فاقہ رہا۔ ہمارے لئے مقام تفکر یہ ہے کہ اس سے پہلی شب میں بھی خانہ نبوت میں فاقہ ہی تھا۔ (۴)

ایثار کی ایک اس سے بھی بڑھ کر اعلیٰ قسم ہے کہ انسان اپنے اہل خانہ اور قریبی متعلقین کی جائز ضرورتوں پر عام لوگوں کی ضرورتوں کو ترجیح دے، نبی اول وآخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کے بھی عمدہ عملی نمونے ملتے ہیں۔ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امر کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست رد کر دی اور فرمایا:

لا اعطیکم و ادع اهل الصفة، تلوی بطونهم من الجوع(۵)

یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو تو دے دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہم راہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درخواست کی کہ حضرت فاطمہ کے چکی پیستے پیستے اور آٹا گوندھتے گوندھتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ حالیہ غزوے کے مالِ غنیمت میں جو لونڈیاں آئی ہیں، ان میں سے ایک دو مل جائیں، باوجود ے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ کی صاحب زادی کس حالت اور فاقہ کشی و تنگ دستی کی کس کیفیت سے دوچار ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی، بل کہ ان سے فرمایا:

واللہ لا اعطیکما وادع اھل الصفۃ تطوی بطونھم، لا اجد ما انفق علیھم، ولکنی ابیعھم وانفق علیھم اثمانھم(۶)

خدا کی قسم میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں کیسے دے دوں، حالانکہ اہل صفہ بھوکے بیٹھے رہیں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان پر خرچ کرسکوں، لیکن میں ان غلاموں کو بیچوں گا اور ان کی رقم اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔

ایک جانب سیرت طیبہ کے یہ روشن واقعات ہیں اور دوسری جانب ہمارے تاریک اعمال اور ظلمتوں سے بھرے ہوئے طور وطریقے، جہاں ہر برائی بلا دلیل رواج پا سکتی ہے، مگر کسی اچھائی کو بار نہیں مل سکتا، صفت ایثار بھی ہمارے اسی طرز عمل کا شکار ہے۔ ہماری فیاضی میں کوئی شک نہیں، مگر اب وہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جواز ڈھونڈنے لگی ہے، اور ایثار کا تو ہماری زندگیوں میں کہیں دور سے بھی گزر نہیں۔

اوپر کی سطور میں جو واقعات ذکر کئے گئے وہ تو بہت زیادہ اعلیٰ درجے کے ہیں، مگر ہم تو عام نوعیت کے معاملات میں بھی دوسروں کا حق مار کر خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچا کر ہمیں راحت ملتی ہے۔ اگر سڑک پار کرتے ہوئے بزرگ، خواتین اور بچوں کو دیکھ کر ہم اپنی گاڑیاں روک لیں تو ہمیں کتنے لمحات کی قربانی دینی ہوگی؟ اگر بل جمع کراتے ہوئے ہم قطار بنالیں تو سوچئے کہ فائدہ آخر کس کو ہوگا؟ اگر آج آپ بغیر قانون کے گاڑی آگے بڑھا کر لے جاتے ہیں اور ساتھ والی گاڑی کو اس کے استحقاق کے باوجود راستہ نہ دے کر خوش ہوتے ہیں تو ذرا دل تھام کر سوچئے کہ کل یہ صورت حال آپ کے ساتھ پیش آجائے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ غلط اوورٹیک کرنا، غلط جگہوں پر گاڑی پارک کرنا اور غلط راستے سے اپنی گاڑی نکال لینا بھی اس قسم کے معاملات ہیں، یہ تمام امور تھوڑا سا تحمل اور تھوڑا سا ایثار چاہتے ہیں۔ اگر ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ ان تمام جگہوں پر تھوڑے سے تحمل اور تھوڑے سے ایثار کا مظاہرہ کرنے میں نہیں ہچکچائیں گے تو ہماری زندگی کے تقریباً چالیس فیصد لمحات خوش گوار ہوسکتے ہیں، اتنے ہی فیصد ذہنی دباؤ اور پریشانی سے ہم نجات حاصل کرسکتے ہیں اور اس عمل کے بعد ہمارا وقت کس قدر بچتا ہے، یہ تجربے اور عمل ہی سے معلوم ہوگا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس ایثار کا درس ہمیں سیرت طیبہ سے مل رہا ہے، وہ خود ہمارے لئے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے مذہب کا بھی حصہ ہے، سو کم از کم وہ حضرات جو دین کے ماشاءاللہ بہت سے پہلوؤں پر نہایت دل جمعی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خشوع وخضوع اور نہایت اہتمام سے عمل پیرا ہوتے ہیں اگر اس پہلو کو بھی نظر انداز نہ کریں تو کم از کم ۳۰،۲۴۰ فیصد معاشرہ تو ایثار پسند خود ہی ہو جائے۔

ایثار کا ایک اہم پہلو دوسروں کے کام آنا ہے، اہم بات یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے ذریعے یہ ثابت کرے کہ وہ قربانی دینا جانتا ہے، اس کا عمل یہ بتائے کہ وہ اس لذت سے آشنا ہے جو کسی کے کوئی ضرورت پوری کر کے اور ایسے انداز میں ضرورت پوری کر کے اسے لذت حاصل ہوتی ہے جب وہ اپنی کسی ضرورت کی قربانی دیتا ہے یا کم سے کم اپنے آرام یا آسائش کو تج کر، مشقت اٹھا کر، اور اپنی آرام کی قربانی دے کر کسی کے کام آتا ہے اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے۔ یوں تو اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دینا بھی اچھی اور محمود صفت ہے، لیکن یہ تو ہمارے معاشرے میں عام طور پر ہوتا ہی ہے، صرف اعلیٰ طبقے اور قائدین کی کلاس کے لئے یہ بات اہمیت رکھتی ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر اور صحیح معنی میں کرنے کا کام یہ ہے کہ انسان دوسروں کے کام آئے اور حسبِ توفیق دوسروں کے کام کر کے خوشی محسوس کرے، جن کی ادائیگی سے بہ وجوہ وہ قاصر ہوں، یا وہ بہ سہولت وہ کام نہ کر سکتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ ہمیں اس پہلو کو بھی روشن مثالوں اور قابلِ تقلید نمونوں سے روشن کرتا ہے۔ یہ بھی ایثار کی ایک قسم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس میدان میں بھی ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ حبشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مہمان آتے تھے آپ ہمیشہ ان کی خود خدمت کرتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خواہش ہوتی کہ یہ کارِ خیر ہم انجام دیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ان کی خدمت میں خود کروں گا۔ کیوں کہ انہوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے۔ (۷) اس میں ہجرتِ حبشہ کی طرف اشارہ تھا، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور قریش مکہ کے لالچ دینے، خوشامد کرنے اور سیاسی، سفارتی دباؤ ڈالنے کے باوجود شاہ حبش نجاشی نے نہ صرف انہیں قریش مکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا، بل کہ انہیں رہائش وغیرہ کی بھرپور سہولتیں دے کر انہیں اپنے مہمان کی حیثیت سے اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔

اسی طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ ایک معروف صحابی ہیں، انہیں ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہم کے سلسلے میں روانہ کیا، ان کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور نہ ان کے گھر کی خواتین کو دودھ دوہنا آتا تھا، اس لئے جب تک وہ واپس نہیں لوٹے، اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے ان کے ہاں جاتے اور دودھ نکالا کرتے تھے۔ (۸)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رویہ اور انداز مہربانی وخدمت گزاری صرف اپنے ساتھیوں، رفقا، خدام اور صحابہ کرام ہی کے ساتھ نہیں تھا، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ اسی نوعیت کی مہربانی، ہم دردی اور خدمت گزاری والا ہوتا تھا۔ طائف کے اس سفر سے کون واقف نہیں؟ کفارِ ثقیف نے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعاون نہیں کیا، بل کہ الٹا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی کے در پے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گئے اور آپ کو اس قدر تکالیف دیں کہ آپ لہولہان ہو گئے۔ سن ۹ رہجری کا واقعہ ہے کہ یہی کفارِ ثقیف اپنا وفد لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس موقع پر آپ نے خود ان کی خدمت کی، انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا، اور ان کی میز بانی کے فرائض بہ نفس نفیس ادا کیے۔(۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل ہر ایک کے ساتھ بلا تفریق ہوتا تھا اور جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں فرماتے تھے۔ نہ تو مرد اور عورت کی بنیاد پر، نہ جان پہچان کی بنیاد پر، نہ معزز و غیر معزز کی بنیاد پر، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہم دردانہ اور تعاون و خدمت پر مبنی رویہ ان لوگوں کے ساتھ بھی تھا جو عقل و شعور کے اعتبار سے بھی کم زور حیثیت کے حامل تھے۔ اخلاقِ حسنہ، خلقِ عظیم اور عظمتِ انسانی کی یہ وہ معراج ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فائز تھے۔ ایک مرتبہ ایک خاتون نے جو مدینہ منورہ میں رہتی تھی اور اس کی ذہنی کیفیت درست نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہا کہ محمد! مجھے تم سے کچھ کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا نہ صرف یہ کہ برا نہیں منایا، بل کہ اسے کہا کہ جہاں تم کہو، میں جانے کے لئے تیار ہوں چناں چہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دور لے گئی اور وہاں جا کر بیٹھ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور پھر اس کا جو بھی کام تھا وہ پورا کیا، تب واپس لوٹے۔(۱۰)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک بدو آیا اور آ کر اس نے پاس ادب کئے بغیر بدویانہ طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مبارک تھام لیا اور کہا کہ میرا یہ کام رہ گیا ہے اسے آپ خود کر دیں، ایسا نہ ہو کہ میں اسے بھول جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تھے اور جماعت تیار تھی، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ باہر نکل آئے اور اس کا مطالبہ پورا کیا، پھر نماز ادا کی۔(۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور حیات طیبہ کے پورے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خواہ اپنا کام ہو یا کسی اور کی کوئی خدمت، جب بھی کبھی ایسا کوئی موقع سامنے آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ادائیگی کے لئے دوسروں سے پہلے کھڑے ہوتے اور نہ صرف یہ کہ اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے لئے ترجیحی بنیادوں پر کسی سلوک کے خواہش مند نہیں ہوتے تھے، بل کہ اس طرح کے ہر کام میں دوسروں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔ یہ صفت یقیناً انسانیت کی معراج ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل الخلق اور احسن الخلق ہونے کی وجہ سے اس معراج کی بھی آخری بلندی پر فائز تھے، لیکن کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ اسوۂ حسنہ اور راہ عمل نے ہمیں بھی اس عمل کی کبھی تحریک بخشی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسری اور بہت سی اچھی صفات کی مانند اس صفت سے بھی ہم روز بہ روز دور ہوتے جا رہے ہیں۔

اس بعد کی سب سے اہم وجہ ہمارا افسرانہ کلچر ہے، جس میں خود اٹھ کر پانی پینا تو کجا، سامنے میز پر رکھے ہوئے گلاس کو اپنے ہاتھوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنے ہونٹوں تک لانا بھی خلافِ شان تصور کیا جاتا ہے۔ یہ اندازِ زیست ان سے منتقل ہو کر کلرکوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک پہنچتا ہے، اور یہ کلاس جب اپنا آئیڈیل عملی طور پر کہیں نہیں پاتی تو گھر میں بادشاہی کے مزے لوٹتی ہے، اور اب دیکھا دیکھی یہ شان ہر طبقے کی کمزوری بن چکی ہے۔ نتیجتاً کوئی شخص بھی (الا ماشاء اللہ) انہیں حدود اور اپنے اپنے دائرۂ کار میں اس وقت تک کچھ کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا، جب تک کہ اس کے سر پر نہ آ پڑے اور اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہ جائے۔

یہ صورتِ حالات تو اپنے کام کے بارے میں ہے، رہا دوسروں کے کام آنا، تو اس کا تو تصور بھی امرِ محال ہے۔ بلاضرورت اور بےلوث طریقے سے دوسروں کے کام آنے کا تخیل بھی عنقا ہو چکا ہے، اور کبھی کہیں کوئی ایسا موقع آ جائے تو سب سے پہلے یہی سوال ہوتا ہے کہ ہمیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یہ سوداگرانہ ذہنیت ہماری ایک نہیں کئی ایک برائیوں کی جڑ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارا مقتدر طبقہ جس میں حکمران، اہلِ ثروت، عمائدین، معززین اور سیاسی شخصیات بھی شامل ہیں اور اہلِ طریقت بھی اور اہلِ شریعت بھی یہ سب اگر یہ فیصلہ کر لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے، آج سے دن میں صرف ایک بار بےلوث طریقے سے کسی کے کام آئیں گے اور پھر اپنے اس نیک عمل کو اپنے ذہن سے مٹا دیں گے تو شاید چند ہی روز میں دوسروں کی شکایتیں کرنے والے خود ان کی شان میں رطب اللسان ہو جائیں۔

اس پہلو سے عمل کی راہیں منور کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت شاید ہمارے دین دار طبقے کو ہے، جس کی ذمہ داریاں اس حوالے سے ویسے بھی دوچند ہیں اور ان کا یہ پہلو کئی اعتبار سے کمزور بھی ہے، سو کیوں نہ اس کارِ خیر کا آج ہی سے آغاز کر دیا جائے۔

اوپر صرف چند بنیادی پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایثار ایسی ہمہ جہت صفت ہے کہ زندگی کے ہر شعبے سے اس کا تعلق نکلتا ہے، غور و فکر کے در وا کیجیے اس کی عملی صورتیں خود بہ خود آپ کے سامنے آتی چلی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی راہ آسان فرمائیں، آمین۔

حوالہ جات

۱۔ الحشر: ۹ —— ۲۔ مسلم: ج ۴، ص ۳۵۔ رقم ۲۳۱۲ —— ۳۔ احمد: ج ۴، ص ۶۵۵۔ رقم ۱۶۱۴۱ —— ۴: احمد: ج ۷، ص ۵۴۴۔ رقم ۲۶۶۸۴ —— ۵۔ احمد: ج ۱، ص ۱۲۸۔ رقم ۵۹۷ —— ۶۔ احمد: ج ۱، ص ۱۷۱۔ رقم ۸۴۰ —— ۷۔ شرح الزرقانی —— ۸۔ طبقات ابن سعد، ترجمہ خباب —— ۹۔ قاضی عیاض۔ الشفاء —— ۱۰۔ ابوداؤد۔ کتاب الادب —— ۱۱۔ ابوداؤد۔ کتاب الادب

© rasailojaraid.com